امامیہ مشن کا ستر ہواں تبلیغی رسالہ

مطبوعہ

سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ار | تعداد طبع دو ہزار | خرچہ ڈاک ر

نور و ظلمت

رشحات قلم

حضرت فخر المحققین سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ

مجتہد العصر دام ظلہ العالی

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

امامیہ مشن کی ستر ہویں دینی خدمت

بیادگار جانشینی وصی رسول امام برحق حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام

نوروز و غدیر

سنہ ۱۳۵۲ھ

درحقیقت نوروز اور غدیر یہ دونوں ایک ہی عید مسرت کے دو مظاہرے ہین اسکی سال مین شمسی و قمری حسابون کے تناسب کی وجہسے یہ دونون عیدین بہت تھوڑے فاصلہ کے ساتھ ایک ہی ماہ مین پڑگئی ہین اسلئے ہم اس رسالہ کو ان دونون عیدون کے ساتھ معنون کرتے ہین اُمید ہے کہ تمام اہل اسلام ان مضامین سے جو اس رسالہ مین مندرج ہین پورے طور پر بہرہ اندوز ہون گے۔ والسلام

خادم ملت

سید ابن حسین۔ سکرٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

غدیر و نوروز

قرآن کی آخری آیت اور اکمال دین و اتمام نعمت

(حضرت سید العلماء کے موعظہ ۲۲ ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ روز یکشنبہ کا مختصر اقتباس[1])

قرآن مجید کے متعلق جہانتک مفسرین و علمائے اسلام کے متفقہ بیانات پر نظر ڈالی جاتی ہی معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی ترتیب شان نزول کے مطابق نہین ہوئی ہے بلکہ اُس مین اول کا آخر اور آخر کا اول ہو گیا ہے اور اسی اختلاف ترتیب کا نتیجہ تھا کہ موجودہ صورت مین اسکی ابتدا و انتہا بھی محفوظ نہین رہی ہے۔

ابتدائے قرآن مجید کی یعنی سب سے پہلا سورہ کہ جو جناب رسالتمآبؐ پر نازل ہوا تھا وہ سورۂ اقرا ہی اور سب سے آخری سورہ جو نازل ہوا ہی وہ سورہ مائدہ ہے اور اُس مین بھی سب سے آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ہی۔

(۱) ابلاغ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

اگرچہ بعض مفسرین نے سورۂ توبہ کو آخری سورہ قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہین ہے اسلئے کہ سورۂ توبہ سنہ ۹ھ مین نازل ہوا ہے جبکہ جناب رسالتمآب ؐ نے حج نہین کیا تھا بلکہ امیر المومنین ؑ کو حکم امتناعی کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ کیا تھا کہ آئندہ سے مشرکین اگر خانہ کعبہ کا برہنہ طواف نہ کرین اسکے بعد رسول ؐ سال بھر زندہ رہے اور آخر سنہ ۱۰ھ مین حجۃ الوداع کے فرض کو انجام دیا اور سورۂ مائدہ اسی حجۃ الوداع مین نازل ہوا ہے تو پھر سورۂ توبہ آخری سورہ کہان قرار پا سکتا ہے؟

ہرگز نہین بلکہ حقیقت یہی ہے کہ آخری سورہ مائدہ ہے اور اس مین آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے جو ۱۸ ذی الحجہ کو نازل ہوئی اسوقت کہ جب رسالتمآب ؐ نے مقام غدیر خم مین علی بن ابیطالب ؑ کی وصایت کا اعلان کیا اور اگر غور کیا جائے تو آیت خود بھی اپنے آخری ہونے کا اظہار کر رہی ہے۔

اصول فصاحت و بلاغت کے رو سے جس طرح ابتدائے کلام مین ایسا تذکرہ ہوتا ہے جو اصل مقصد کو بتلاتے ہوئے افتتاح پر دلالت کرے اسی طرح اختتام مین ایسے الفاظ ہوتے ہین جو اختتام کو ظاہر کرین۔

قرآن مجید کی ابتداء ہوئی اقرأ باسم ربک الذی خلق "پڑھو خدا کا نام لے کر"

اس سے اشارہ ہوا کہ اب قرآن کا افتتاح ہوتا ہے اور اس لئے مخاطب کو قرأت پر آمادہ کرتے ہوئے خدا کا نام لینے کی ہدایت ہوئی جو ابتدا کی خصوصیت ہوا کرتی ہے۔

انما الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی

اس میں اکملت اور اتممت کی دونوں لفظوں سے تمام و کمال کا پتہ دیا گیا اور یہ کہ اب جو کچھ پہونچنا تھا پہونچ چکا اور جو کچھ شریعت کی تکمیل ہونا تھی ہو چکی، رسولؐ کی زندگی میں بھی اسلئے کہ قرآن مجید پورا اتر چکا اور رسولؐ کے بعد کی بھی اسلئے کہ بعد کا انتظام علیؑ کی وصایت کے اعلان سے کرا دیا گیا، اس طرح اکمال دین اور اتمام نعمت ہوا اور اس طرح اسلام دین مرضی الٰہی قرار پایا۔ یہ تھا وہ مبارک دن جسکی عظمت کا احساس اسلام والوں کے علاوہ غیروں کو تھا چنانچہ تفسیر درمنثور حافظ جلال الدین سیوطی میں ہے عن ابی العالیۃ قال کانوا عند عمر فذکروا ھذہ الایۃ فقال رجل من اھل الکتاب لو علمنا ای یوم نزلت ھذہ الایۃ لاتخذناہ عیدا فقال عمر الحمد للہ الذی جعلہ لنا عیدا۔

حضرت عمر کے سامنے اس آیت کا تذکرہ ہوا، ایک شخص نے اہل کتاب (یہود) میں سے کہا اگر ہم کو معلوم ہوتا یہ آیت کس دن نازل ہوئی ہے تو ہم تو

اُس کو عید قرار دیتے۔ حضرت عمر نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اُس نے اس دن کو ہمارے لئے عید قرار دیا ہے جتنے واقعات مختلف ایام میں ہوتے ہیں اُنکے لئے دو حیثیتیں پائی جاتی ہیں ایک حرکت قمر کے اعتبار سے اور اُسکے تغیر و تبدل کی حیثیت سے جو مہینے کے مختلف اوقات میں ہوتا رہتا ہے اور ایک آفتاب کی حرکت سے کہ جس کا دورہ سال بھر میں ختم ہوتا ہے اور جس کے ذریعے سے اوقات و فصول میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔

شریعت اسلام کے احکام میں جہاں تک نظر کی جاتی ہے اُنکی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر قرار دی گئی ہے اسلئے کہ اُس کا انضباط ذاتی مشاہدہ و احساس پر مبنی ہے جس میں خواص و عوام مساوی درجہ رکھتے ہیں اور اس طرح ہر شخص اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر اپنے اعمال کو صحیح طور سے بجالا سکتا ہے برخلاف آفتاب کی حرکت اور اُسکے منازل کے، وہ سوائے منجمین اور علمائے افلاک کے کسی کے سمجھنے کی چیز ین نہیں ہیں اور اس لئے عام افراد کے لئے اُن پر عمل آسان نہیں ہے۔

لیکن یہ اس اہم واقعہ وصایت امیر المومنین کی خصوصیت تھی کہ اس میں قمری و شمسی دونوں حسابوں کو معتبر قرار دیا گیا، قمری حساب سے تاریخ ۱۸ ذی الحجہ قرار پائی جس کا نام عید غدیر ہوا اور شمسی حساب سے چونکہ اُس تاریخ جب یہ اہم واقعہ رونما ہوا آفتاب نقطۂ اعتدال پر پہونچا تھا

جو برج حمل مین اُسکے داخلہ کا مرادف ہے اسلئے سال کی تاریخون مین یہی دن
کہ جب آفتاب برج حمل مین داخل ہو اور اعتدال کا وقت آئے عید قرار
پایا جس کا نام نوروز ہے اور پھر اتفاق سے امیر المومنین ع کی خلافت ظاہری
بھی اُسی دن تھی جس کے معنی یہ ہین کہ آفتاب خلافت اپنے نقطۂ اعتدال پر
آیا تھا جس کے اندر افراط وتفریط کا شائبہ نہین لا شرقیۃ ولا غربیۃ بلکہ
جو امۃً وسطا کا صحیح مصداق ہے۔ اسلیئے یہی رمز کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ
کیلئے اس دن کو یادگار قرار دیدیا گیا اور آفتاب خلافت کے نقطۂ
اعتدال پر پہونچنے کی یاددہانی مین ہر سال جب آفتاب نقطۂ اعتدال پر
پہونچے اُس کو مسلمانون کے لئے عید مقرر کر دیا گیا۔

آفتاب خلافت کا نقطۂ اعتدال

خلافت یا جانشینی رسول کو اُسکے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے دیکھو تو وہ کبھی امیر المومنینؑ سے جدا نہ تھی اور نہ ہوسکتی تھی، وہ ایسی شے نہین جو چھینی جاسکے یا زبردستی اُس پر قبضۂ مخالفانہ قائم کیا جائے، مال و دولت صندوقون مین بند کر کے مضبوط و مستحکم مکانات مین مقفل کر کے رکھا جائے اور اوسکی حفاظت کے لئے پہرے بٹھائے جائین لیکن کسی متبحر عالم کا علم، جنگ آزما شجاع کی شجاعت، دریا دل سخی کی سخاوت کبھی اسکی محتاج نہین ہوئی کہ اُس کو تہ دون مین چھپا کر اور صندوقون مین مقفل کر کے محفوظ کیا جائے یا اُسکے متعلق چور اور ڈاکوؤن کی دست برد کا اندیشہ ہو۔

حقیقۃً خلافت کے معنی یہ ہین کہ رسول کی وفات کے بعد ایک شخص اُنکی جگہ کو پر کر دے، باین معنی کہ اخلاق و کمالات مین اس طرح رسولؐ کی تصویر ہو کر گویا دنیا کو معلوم نہو رسول دنیا سے اُٹھ گئے ہین، شریعت کو معلوم نہ ہو کہ مبلغ شریعت موجود نہین ہے، اسلام کو معلوم نہ ہو کہ اس کا مؤسس عالم مین نہین رہا، قرآن کو معلوم نہ ہو کہ اُس کا حامل رخصت ہو گیا سنت کو معلوم نہ ہو کہ

اُسکا پہونچانیوالا باقی نہیں رہا، مختصر یہ کہ فریضۂ اصلاح ونظام عالم مین جن جیزون کو دخل ہی اُسکی حیثیت سے وہ اپنے پیش رو نبی کا اسحد تک سہیم وشریک ہوکہ تبلیغ احکام اور حفظ شریعت مین کسی طرح نقص وفتور نہ ہونے پائے، اگرچہ ذاتی وشخصی کمالات کے اعتبار سے دونون ہستیون مین اُتنا تفاوت ضرور ہی ہوگا جتنا خود منصب نبوت مین تفرقہ موجود ہی۔

مذکورہ بالا حقیقت کو دیکھتے ہوے خلافت کسی مقرر کیئے ہوے وظیفہ یا عطا کیئے ہوے منصب کا نام نہین ہی بلکہ اُن شخصی اور ذاتی کمالات کا نام ہی جو خالق کی طرف سے کسی مخصوص بندہ مین ودیعت کردیئے گئے ہین اور جو مبدا خلق وتکوین مین اُسکی ذات سے مخصوص ہوگئے ہین، وہ نہ کسی کے علیحدہ کرنے سے علیحدہ ہوسکتے ہین، نہ کسی کے چھیننے سے چھن سکتے ہین!

اس مفہوم کے اعتبار سے اگر امیر المومنینؑ کی شخصیت پر نظر ڈالی جاتی ہی تو وہ اپنی زندگی کے ہر دور، اپنی عمر کی ہر ساعت، ہر دقیقہ، ہر ثانیہ مین رسولؐ کے خلیفہ وجانشین نظر آتے ہین، کس کو یہ طاقت حاصل ہی کہ وہ اس خلافت کو علی بن ابیطالب سے علیحدہ کرسکے۔

یقیناً سخت غلطی ہی اگر ہم علی بن ابیطالب کی اس خلافت کے متعلق کسی تاریخ یا دن کی تعین کردین، نوروز ہو، یا غدیر، بیعت العشیرہ کی محفل ہو یا انما ولیکم اللہ کا موقع، ان مین سے کوئی بھی علیؑ کی جانشینی کی تاریخ

نہین ہی بلکہ درحقیقت یہ سب وہ اشتہارات و اعلان ہین کہ جو عالم افراد
کی اطلاع کے لئے شایع کئے گئے ہین،

چونکہ خلافت باطنی رمز اور مخفی حقیقت ہی کہ جس کا تمیز دینا معمولی افراد
بشر کا کام نہین ہی بلکہ وہی ہستی کہ جو نوع بشر کے آب وگل کی خلق کرنے والی
تھی اس رمز و حقیقت پر مطلع ہوسکتی ہی اسلئے ایسے شخص کی تعیین کرنا بھی
اُسی علام الغیوب ہستی کا کام ہی اور اسی لئے اُس نے رسول کی معرفت عالم بشری
تک اپنے نتیجہ انتخاب کی اطلاع پہونچائی اور متعدد طریقون سے عنوان
بدل بدل کر اُسکی تبلیغ کرائی، من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ، انما
ولیکم اللہ ورسولہ، ہذا وصیی وخلیفتی۔ علی منّی بمنزلۃ
ھٰرون من موسیٰ وغیرہ وغیرہ آیات واخبار کے ذریعے سے علی ابن ابطالب ع
کی خلافت کو اُمت اسلامیہ تک پہونچایا گیا ہی۔

بیشک جس طرح رسول ص اپنی زندگی مین مسلمانون کے روحانی بادشاہ ہین
اور اُن کا تمام نظم ونسق، سیاہ سفید حضرت کے حکم کا تابع ہے (النبی اولیٰ
بالمومنین من انفسہم) اسی طرح اُن کا جانشین اور خلیفہ کہ جو اُنکے
مراتب کمال کا حامل اور فرائض دینیہ کا حافظ ہی خدا کی جانب سے اس بات کا
مستحق ہی کہ امت کی زمام حکومت اُسکے ہاتھ مین ہو اور وہ اپنی مرضی کے مطابق
اُنکے انتظامی اور تمدنی فلاح ونجاح کا سامان بہم پہونچائے، یہ ظاہری

آثار ہین جو خلافت الٰہیہ کے ساتھ ساتھ خلیفہ و امام کیلئے ثابت ہوتے ہین اور چونکہ اُن کا تعلق ظاہری شان و شوکت اور حکومت و سلطنت سے ہی اسلئے مختلف افراد کی طمع و حرص اور ظلم و تعدی کا مرکز بن سکتے ہین اور ظاہری نظر بین اسی کو واقعی خلافت اور جانشینی خیال کرتے ہوے یہ کہنا چاہتے سمجھتی ہین کہ امیر المومنین سے خلافت علیحدہ کر لی گئی یا غیر مستحق افراد نے اُسپر قبضہ کر لیا اور ہمارے اس مضمون مین بھی آئندہ جب خلافت کی لفظ نظر آئے تو اُس سے انہی معنی کو مراد سمجھنا چاہیئے۔

رسالتمآب کی وفات کے بعد جو انقلاب ہوے اور اُن مین حقائق اور واقعات کا جس طرح خون کیا گیا اُس کا تذکرہ مقصود نہین، تاریخ اُن تمام واقعات کو اپنے دامن مین لیے ہوے ہے خلافت نے اپنے حقیقی مرکز سے ہٹ کر کیسے کیسے بدلے اور کیسی مختلف صورتین اختیار کین؟ وہ تمام اُن سیاسی داؤن پیچون کا نام ہو گیا جن کے ذریعہ سے مسلمانون کی جماعت کو بھیڑون کی طرح اپنے مقصد کے موافق ہنکایا جا سکے۔

ہر شے کی ایک میعاد ہوتی ہی، ناانصافی، خود غرضی، اپنون کی جانبداری حقداروں کے حقوق سے چشم پوشی، ستم رسیدہ مظلومون کے فریاد و شیون سے چشم پوشی انتہا تک پہونچ چکی تھی، مسلمانون کے صبر و ضبط کا پیمانہ چھلکا

اور اُس نے خلیفۂ وقت کے سفینۂ حیات کو غرق کر کے چھوڑا۔

یہ اقدام کتنے بھی حق بجانب شکایات کا نتیجہ ہو لیکن اتنا ضرور ہی کہ
نامناسب تھا، امیر المومنینؑ کا تیس برس تک خون جگر پیتے رہنا اور صبر کرنا
اسی لئے تو تھا کہ تلوار کھینچنا اسلام کے مجتمع شیرازہ کے منتشر ہونیکا باعث اور
مسلمانون کی خون ریزی کا سبب ہے، ورنہ وہی تلوار کہ جس نے جوانی مین عمرو
بن عبدود کا خون بہایا اور بدر احد و خیبر و خندق کو فتح کیا اور بڑھاپے مین جمل
و صفین و نہروان کے میدانون مین اپنے جوہر دکھا کر دشمنون کے دلون پر
سکہ قائم کیا وہی اوہیڑ بن مین بھی علی بن ابی طالب کے پاس موجود تھی، نہ اسکی
باڑھ کند ہوئی اور نہ امیر المومنینؑ کے بازوؤن کی سکت مین کمی ہوئی تھی
پھر اتنی طویل مدت تک مختلف قسم کے ظلم و ایذا بلکہ توہین و تذلیل کا برداشت
کرنا اسی لئے تو تھا کہ اسلام کی بندھی ہوئی مٹھی کھلنے نہ پائے، اسی وجہ سے
آخری دور مین جن افراد نے خلیفۂ وقت کے قتل کا اقدام کیا اُن کو بھی
امیر المومنینؑ کی طرف سے کوئی مدد نہین دی گئی بلکہ متعدد مرتبہ درمیان مین پڑ کر
فتنہ کی آگ کو خاموش کیا اور غصہ مین بھرے ہوئے حملہ آورون کو سمجھا
بجھا کر ہٹا دیا لیکن افسوس ہے کہ واقعات نازک سے نازک تر صورت اختیار
کرتے گئے اور آخر قصر حکومت کی زمین فرمانروائے خلافت کے خون سے
رنگی ہوئی نظر آئی، اب ذرا مسلمانون کی آنکھین کھل چکی تھین، تاریکی سے

دم الٹا گیا تمہارا دشمنی کی تلاش تھی، اسکے لیے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہین تھی، غدیر کے عمومی اعلان کی آواز ایسی نہ تھی جو ایک مرتبہ فضا مین گونجکر فنا ہو جائے، یہ تو کہو کہ ابتک اغراض نفسانیہ، تعصب عداوت تخویف و تہدید اور جبر و ظلم لوگون کی آنکھون پر پردہ ڈال کر انکے ضمیر کے خلاف ڈھکیل رہے تھے لیکن اگر ان کے باطنی جذبات اور نفسانی کیفیات کا جائزہ لیا جاتا تو صاف معلوم ہوجاتا کہ وہ خود اپنے نزدیک گناہگار تھے، یقیناً ان کی آنکھون کے سامنے غدیر کے میدان کا مرقع ہر وقت پھرتا اور کانون مین وہ پر زور آواز گونجتی ہوگی، اب تو موانع برطرف ہوچکے تھے، سیج مچ حق کی تلاش تھی اور خلافت کو اسکے حقیقی مرکز تک پہونچانا تھا بلکہ یون کہنا چاہیے کہ ظاہر کو باطن سے، لفظ کو معنی سے مطابق کرنا منظور تھا، آئے اور سیدھے اسی مرکز پر آئے جہان پہلے آنا چاہیے تھا علی بن ابیطالبؑ کے دروازہ پر مہاجرین و انصار کا ہجوم ہوگیا اور ہر شخص کی یہی خواہش کہ اب آپ اپنی حقیقی جگہ پر تشریف لائین اور حفظ شریعت اور ہدایت خلق کا فریضہ جو ابتک پردے مین رہ کر ادا کر رہے تھے اب مسند خلافت پر متمکن ہوکر ظاہری صورت مین ادا فرمائین، تاریخی واقعات مین جو شخص جوڑ پیوند لگانا چاہتا ہو اور غیر مرتب متفرق باتون کو ایک سلک مین سلسل دیکھنے کا عادی ہو اس کو اس موقع پر حیرت و استعجاب کی انتہا

نہین رہتی کہ امیر المومنینؑ ایک وقت مین خود سے خلافت کے طالب تھے

ایک ایک کے دروازہ پر جا جاکر ہمدردی و نصرت حاصل کرنا چاہتے اور عام طور

سے اپنے حق کا اعلان کرتے تھے جس کی وجہ سے نہ معلوم کتنی مصیبتون اور

سختیون کو بھی برداشت کرنا پڑا آج وہی امیر المومنین ہین کہ مہاجرین و انصار

چارون طرف سے گھیرے ہوے ہین، الحاح و اصرار کی انتہا نہین لیکن

علی بن ابی طالبؑ کسی طرح خلافت کو منظور نہین کرتے اور انکار ہی کر رہے ہین

بات یہ ہو کہ وہ وقت جب امیر المومنینؑ اپنے حق کی رو سے خلافت کے طالب

تھے وہ تھا کہ جب تازہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوئی تھی حضرت کے روحانی تعلیمات

کا اثر مسلمانون کے دلون سے دور نہوا تھا، علی بن ابیطالبؑ کی سیرت

اور اُن کا طرزِ عمل بھی بالکل وہی تھا کہ جو اُن کے اُستاد اور مربی رسالتمآبؐ کا

اسوۂ حسنہ تھا، یقیناً اگر اُسوقت مسندِ خلافت پر علی بن ابیطالبؑ متمکن ہو جاتے

تو دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا رسولؐ کب دنیا سے اُٹھے؟ وہی انصاف و عدالت،

وہی تبلیغ احکام اور حفظ شریعت، وہی رحم و کرم اور روا داری، وہی قواعد

و قوانین اسلام کی پابندی و محافظت، مسلمان تو اسی طریق حکومت کے

عادی تھے ہی؛ یقیناً عالم گہوارہ امن و امان ہوتا اور حقیقی اسلام انتہائے ترقی

کے ساتھ عالم مین منتشر ہوتا مگر اُسوقت علی کی شنوائی نہوئی تاہم خلافت کے

دو دورون تک نظام حکومت مین جتنی کمزوریان بھی ہون لیکن امرا المسلمین

اور حقوق عامہ ناس مین کوئی کھلی ہوئی فروگذاشت نہوتی تھی اور ظاہری صورت مین ایک حد تک مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا، اسی وجہ سے تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر بھی امیر المومنین ؑ نے پوری قوت کے ساتھ اپنے حق خلافت کا اعلان کیا اور ادلہ و براہین کے ذریعہ سے اپنے استحقاق کو ثابت کر دیا لیکن جبکہ لوگون نے خلافت کو امیر المومنین کے سامنے پیش کیا اور حضرت سے اصرار کیا تو یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانون کی عادتین خراب ہو چکی تھین، مسلمانون کے حقوق مین عدم مساوات، جانبداری اور بیجا رعایت، اموال مسلمین مین پوری فیاضی کے ساتھ تصرف کا دور دورہ تھا، اسلامی مساوات و اخوت اور ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی حقیقت بالکل لوگون کو فراموش ہو چکی تھی اور کسی کو اس کا احساس نہ تھا تمام مناصب اور بڑے عہدے بنی اُمیہ کے قبضہ مین تھے، اموال مسلمین کے وہ بلا شرکت غیر مالک بنا دئے گئے تھے اور جو لوگ زیادہ حاضر دربار رہتے تھے اور بارگاہ معلیٰ مین تقرب حاصل کر لیتے تھے اُن کو تمام مسلمانون سے زیادہ بیت المال کے خزانہ کا استحقاق ہوتا تھا، بڑے بڑے اسلامی بلاد بنی اُمیہ کے زیر نگین کئے جا چکے تھے، ان تمام واقعات نے حقیقۃً خلافت کو اس قابل نہین رکھا تھا کہ امیر المومنین اُسکو اپنے ہاتھ مین لین، حضرت ان حالات اور تغیرات کو پورے طور پر سمجھے ہوے تھے جو اسلامی مزاج مین رونما ہو گئے تھے، وہ خوب جانتے تھے

کہ مین اگر اسوقت خلافت کو منظور کرون تو کبھی کامیابی کے ساتھ شریعت الٰہیہ اور احکام اسلامیہ کے راستہ پر اُس کو نہین چلا سکتا، اسی وجہ سے مہاجرین و انصار کے حد سے زائد اصرار پر آپ یہی فرماتے رہے کہ اکون وزیراخیر لکم من ان اکون امیرا، تمھارے لئے مین امیر ہون، اس سے بہتر یہ ہے کہ امیر کوئی اور ہو مین اُس کا وزیر ہون، اسلئے کہ وزیر کا فرض مشورہ دینا ہے لیکن ذمہ دار وہ شخص ہے کہ جو تخت امارت پر متمکن ہے آخر مین امیرالمومنینؑ کو منظور کرنا پڑا اور اُس کا باعث صرف ایک تھا، اور وہ یہ کہ مہاجرین و انصار کے انتہائی اصرار اور اس اعلان کے بعد کہ ہم آپکے امتثال اور اطاعت پر آمادہ ہین اُنکی خواہش کو رد کرنا گویا اُنکی طرف سے اتمام حجت کا باعث تھا اور اُن ذمہ داریون کو دیکھتے ہوے جو ایک حقیقی رہنمائے خلق کے متعلق خداوند عالم کی طرف سے مقرر ہین اگر حضرت اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیتے تو خدا کی بارگاہ مین جواب دہ ہونا پڑتا۔

امیرالمومنین کی خلافت ایک عیسائی کی نظر مین

عبدالمسیح انطاکی ملک عرب کے مشہور مؤلفین و مصنفین مین سے تھا اور مصر کے ارباب قلم مین خاص مرتبہ رکھتا تھا، ایک عرصہ تک جریدہ العمران کے ذریعہ عربی تاریخ و ادب کی خدمت کی اور تقریباً ۱۹۲۱ء مین داعی اجل کو لبیک کہا

میں کہ اسلامی واقعات سے خاص دلچسپی تھی اور کئی سال تک ممالک اسلامیہ کا دورہ کر کے اسلامی معلومات کو حاصل کیا تھا جس کا بہترین نتیجہ قصیدہ علویہ ہی کہ جو درحقیقت اُسکی عمر کا عظیم ترین کارنامہ کہے جانیکا مستحق ہے، ہم نے دو سال قبل اخبار سرفراز کے رجب نمبر میں اس قصیدہ کے خصوصیات پر کافی روشنی ڈالی ہے لیکن چونکہ اُس کو عرصہ گذر گیا اور یقیناً وہ خصوصیات اکثر ناظرین کو محفوظ نہ ہوں گے لہذا اس موقع پر اُسکے حصہ کا نقل کرنا ضروری ہے۔

"قصیدہ علویہ عبد المسیح انطاکی کے اُن زرین کارناموں میں سے ہی جن پر دنیائے تصنیف ایک مدت تک فخر کرنیکا حق رکھتی ہی امیر المومنینؑ کی مفصل مبسوط سیرت، حقائق اسلام پر تبصرہ، حکومت و خلافت پر غیر جانبدارانہ خیالات کا اظہار، بعثت رسولؐ کے قبل عرب کے اخلاق و عادات، رسالتمآبؐ کی سچی تعلیم کے تاثرات، اسلامی تاریخ کے اہم نکات پر منصفانہ بحث، ان تمام مطالب کو ۶۰۰ صفحہ کی کتاب میں اس عنوان کے ساتھ جمع کیا گیا ہی جس کی نظیر اسکے قبل ملنا دشوار ہے، یقیناً امیر المومنینؑ کی سیرت میں کسی مسلمان نے ابھی تک اس گرانقدر فرض کو اس طرح ادا نہیں کیا تھا جس طرح ایک عیسائی نے اس فرض کو ادا کیا ہے، اس پر طرہ یہ ہے کہ ادبی حیثیت سے

اس کو علمی سائنس کا حیرت انگیز کرشمہ کہنا چاہیے، اتنی مبسوط کتاب
جس مین تمام واقعات وحقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے ایک قصیدہ کے
ضمن مین اس طرح نظم کرنا کہ شروع سے آخر تک ایک ہی ردیف و قافیہ
باقی رہے یقیناً ادبی دنیا مین پہلا نمونہ ہے، یہ قصیدہ پانچ ہزار پانچ سو
پچانوے (۵۵۹۵) اشعار پر مشتمل ہے جنمین تکلف و تصنع کا لگاؤ نہین
اور خالص عربی زبان کا لطف بھی موجود ہے سنہ ۱۹۱۷ء سے سنہ ۱۹۱۹ء تک دو برس کے
عرصہ مین اسکی تصنیف ہوئی ہے اور سنہ ۱۹۲۰ء مین مطبع رعمسیس (فجالہ) مصر سے
طبع ہوکر شائع ہوا ہے۔" (سرفراز لکھنؤ جلد ۴ نمبر ۲۸) غالبا اس بیان سے
قصیدہ علویہ کے خصوصیات واضح ہوگئے ہونگے، اسی قصیدہ مین فاضل
مولف نے امیر المومنین ع کی خلافت اور مہاجرین وانصار کے خیالات کی
جن لفظون مین تصویر کھینچی ہے اُن کو اس مقام پر نقل کرنا چاہتا ہون، مین
نہین سمجھ سکتا کہ اُردو ترجمہ مین وہ لطف کہان سے پیدا کرون کہ تمام ناظرین
اصل اشعار کے ممتاز خصوصیات کا اندازہ کر سکین۔

ماما ت عثمان الّا والصیاح دوی

بانّ الاعادب عطوا القوس باریہا

حضرت عثمان کا مرنا تھا کہ ملک مین شور برپا ہوگیا، اب کمان اُسی کے بنانیوالے
کے ہاتھ مین دو (یعنی خلافت اُس کے اصلی حقدار تک پہونچاؤ)

فالزوم اماما عالما فقیھا وعی الشریعۃ واستقضی معانیھا

لازم ایسا امام چاہتے ہین جو علم وفقاہت کے ساتھ احکام شریعت کا حافظ اور اُسکے معانی کا احاطہ کئے ہوے ہو۔

وحاکما عادلا للحق منتصرا بہ تنال رعایاہ تساویھا

وہ ایسا عادل حاکم ہو جو ہمیشہ حق کا طرفدار رہے اور جس کے دور مین عایا کے اندر مساوات کا درجہ حاصل رہے۔

وسیدا ما تعالیٰ عن رعیتہ فان أتتہ تفاھیہ یفاھیھا

ایسا سید وسردار کہ جو کبھی اپنے تئین رعیت سے بلند نہ سمجھے اگر رعیت اُس سے اگر مونھ در مونہ بات کرنا چاہے تو وہ کشادہ پیشانی کے ساتھ باتین کرنے پر آمادہ ہو۔

وا حرا أشتراکیا کما نزلت أی الھدی وکما قد شاء موحیھا

اور وہ اشتراکی رہنما کہ جو آیات قرآن اور اُنکے اُتارنے والے کے منشاء کے مطابق حکم کرتا ہو۔

نختار من لا یحابی بین أمتہ اذا تنازع سفلیھا وعلویھا

ہم اُس کو پسند کرتے ہین جو بڑے اور چھوٹے شخص کے مقابلہ کے وقت جانبداری اور رو رعایت کو صرف نہ کرے۔

نختار من لا یری تمییز عترتہ عن الرعیۃ او یوما یحابیھا

ہم اُس کو پسند کرتے ہین جو عام رعیت پر اپنی اولاد تک کے مقدم نہ سمجھتا ہو اور
اُنکے ساتھ کسی قسم کی ناحق مراعات کو جائز نہ سمجھے ۔

نختار من تعرف الهيجاء کرته ومن يصول على الاعدا وينكيها

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جس کے تابڑ توڑ حملون کو میدان جنگ پہچانے ہوے
ہو اور جو دشمنون پر حملہ کرکے اُنکے دلون کو برباد دیتا ہو ۔

نختار من يزدري الاموال يهجرها زهدا ويبذ لها برا العافيها

ہم اُس کو پسند کرتے ہین جو مال دنیا کو بے حقیقت سمجھتا ہو اور اُس کو دریادلی کر
فقرا و مساکین پر صرف کرے ۔

نختار من كان للهادي الرسول لها تلك الاخوة اخلق ان نراعيها

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو رہنمائے اسلام رسول ؐ کا بھائی ہو اور اس اخوت کا
لحاظ ہمکو سب سے زیادہ ضروری ہو ۔

خرنا الذي يد بر قد خاره ورسو له وخير تذهبوا لنمضيها

ہم نے اُسی کو پسند کیا ہے جس کو خدا اور اُس کے رسول نے منتخب کیا ہو اور اُسی
کے انتخاب کو آؤ ہم بھی امضا کرین ۔

كذاك كانت جموع المسلمين بنا دي بعضها البعض ما احلى تناديها

یہی باتین تھین جو مسلمانون کی جمعیت مین ایک دوسرے کو پکار پکار کر ہو رہی
تھین اور حقیقۃً کتنی شیرین باتین تھین ۔

وبالتھالیل اُمّت دار حیدرۃ بہالدیہا من الاٰمال ترجیہا

کے سب تکبیر و تہلیل کی آوازون کے ساتھ علی بن ابیطالب کے گھر کی طرف

چلے اور اُمیدین اُنکے قدمون کو بڑھا رہی تھین،

وزمرۃ من وجوہ القوم قد دخلت علی العلی وحیاہ محیّیہا

اور ایک ممتاز جماعت باوجاہت اشخاص کی اُس بلند مرتبہ امام کی خدمت مین

آئی اور آداب تسلیم کو ادا کیا۔

فیہا زبیر وفیہا طلحۃ وسوی ہٰذین ممن سموا فی العرب تو جیہا

ان مین طلحہ و زبیر اور انکے علاوہ ملک عرب کے بہت سے موجہ اشخاص تھے۔

قالت مما الکنا خا الیوم شاغرۃ وانت صہر نبی اللہ تحمیہا

عرض کیا کہ ہمارا ملک پرآشوب ہوگیا ہے اور آپ ہی اے رسولؐ

کے داماد اب اسکی حفاظت کرسکتے ہین۔

بادر النجد تنا واقبل امارتنا فضلا وانا الی علیاک نہدیہا

ذرا بڑھ کر ہماری دادرسی کیجئے اور احسان کرکے امارت کو قبول فرما لیجئے اور

ہم اُسے آپ ہی کی خدمت مین پیش کرتے ہین۔

نادا ہم یمموا غیدی فانی قد زہدت فیہا وأمّوا مستحبّیہا

حضرتؑ نے پکار کر فرمایا کہ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ کیونکہ مجھ کو اس خلافت

کی پرواہ نہین اور اُن اشخاص کی طرف توجہ کرو جو اُس کے دل سے طالب ہین

انا لمستقبلوا أمر صعابها　　　لها وجوه تغشیها طوارئها

ہمارے سامنے ایسا سخت مرحلہ ہے کہ جس کے شدائد طرح طرح کے پہلو رکھتے ہیں۔

آفاقکم قد غامت وهی مطرة　　　بروقها ما اختفی عنی تلوّیها

تمھارے افق پر سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں اور یہ برس کر رہیں گے، اُنکی چمکتی ہوئی بجلیوں کا پیچ و خم مجھپر مخفی نہیں ہے۔

وقد تنکّرت السبل التی وضحت　　　تنکرا یورث الاضلال والتیها

واضح راستے ہدایت کے اس طرح اجنبی بن گئے ہیں کہ گمراہی اور سرگشتگی کا اندیشہ ہے۔

فان اجبت فانی راکب بکم　　　طرقا لعلمی یجافیها مجافیها

اگر میں تمھاری خواہش کو قبول کردوں تو یقیناً تم کو اپنے علم کے مطابق ایسے راستوں پر چلاؤں گا جن سے پہلوتہی کرنیوالے پہلوتہی کرتے رہیں۔

ولست اصغی الی قول ومعتبۃ　　　مادمت احکام رب العرش اجریها

اور ہرگز میں کسی کے کہنے سننے یا ناراض ہونے کی پرواہ نہ کروں گا جبتک کہ خدائی احکام کا اجرا کرتا رہوں۔

وان ترکتم علیا من ولایتکم　　　فاننی واحد من بین اهلیها

اور اگر تم علی کو اپنی حکومت سے معاف کردو تو میں معمولی افراد میں سے ایک

شخص کی حیثیت سے بسر کر لیجاؤن گا۔

وقد اکون وایم الله اکثرکم	سمعا وطوعا واخلاصا لوالیها

اور خدا کی قسم شائد مین تم سب سے زیادہ حاکم وقت کے احکام کی اطاعت فرمانبرداری کرنے والا ہون گا۔

وان اکون وزیرا فی امارته	خیر لکم فدعونی من تولیها

میرا وزیر ہونا کسی دوسرے حاکم کے لئے تمھارے واسطے بہتر ہی لہذا مجھکو حکومت کے قبول کرنے سے معاف کرو۔

قالوا ولیس لها الا ابو حسن	یجری سفینتها امنا ویرسیها

سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ابو الحسن (علیؑ) کے سوا کوئی اس ناؤ کو منجدھار سے نکال کر ساحل تک نہین پہونچا سکتا،

انا نناشدک الله المهیمن ان	تعید للشرعة السمحا تلالیها

ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہین کہ آپ شریعت اسلامیہ کی چمک دمک کو از سر نو تازہ کر دین۔

وان تمد یدا ابیضا لامتنا	بها نعود الی ماضی تصافیها

اور اس امت کی طرف نصرت کا ہاتھ بڑھا کر اس کے صاف اور خوشگوار ماضی کو دوبارہ پلٹا دین۔

الا تری الملک والاسلام فی خطر	دان ونکبته صعب تلافیها

کیا آپ مملکت اسلامیہ اور خود اسلام کو خطرہ میں نہین دیکھتے اور وہ ایسی مصیبت مین مبتلا ہی جس کی تلافی بہت مشکل ہی۔

الا تخاف الہا انت تعبدہ — فی امتر بك قد ناطت امانیہا

کیا آپ کو اپنے معبود حقیقی کا خوف نہین ہی اس پوری اُمت کے بارے مین کہ جو آپ سے لو لگائے ہوئے ہی۔

ولم یزالوا بہ حتی اصاخ لہم — سمعا ودعوتہم امسی ملبّیہا

اور وہ لوگ یونہی اصرار کرتے رہی یہانتک کہ حضرت نے اُنکی تمنا پر توجہ فرمائی اور اُنکی خواہشون کو قبول کیا۔

حتی علی فضلہ اثنت صحاح — امیر المومنین عمید العرب شنیہا

یہانتک کہ سب نے حضرت کی مدح و ثنا کرنا شروع کی اور آواز دی کہ اے امیر المومنین اے سردار عرب۔

امدد یمینك فضلا کی نبایعہا — واظفر ببیعۃ اخلاص نودیہا

اپنا ہاتھ پھیلائیے کہ ہم سب بیعت کرین اور آپ ہماری مخلصانہ بیعت کو قبول فرمائین۔

فقال فی عقر داری لست اقبل منـ — ـکم بیعۃ خفیۃ یا مبتغیہا

حضرت نے فرمایا کہ اے بیعت کے طالب لوگو مین اپنے گھر کے اندر مخفی حیثیت سے بیعت حاصل کرنے کو کسی طرح منظور نہین کر سکتا۔

وانما المسجد المبرور موضعها والناس تشهد عاطیها ومعطیها

بے شک مسجد نبی میں کہ جو مبارک و مقدس مقام ہی جس موقع پر کہ تمام لوگ حکومت کے لینے والے اور دینے والے کا مشاہدہ کرین۔

فاسرعوا بالعلی المرتضیٰ واھا زیج السرور یغنیها مغنّیها

علی بن ابیطالبؑ کے ساتھ تیزی کے ساتھ سب کے سب فرحت و سرور کے گیت گاتے ہوے روانہ ہوے۔

والناس من حوله تبدی بشائرھا من بعد ان بلغت غیر تمنّیها

لوگ چارون طرف سے گھیرے ہوے اپنی خوشی کے جذبات کو ظاہر کر رہے تھے چونکہ انکی آرزو حضرت کے متعلق بر آئی تھی۔

حتی اذا ما انتهت للمسجد النبوی بایعته وما ضنّت بایدیها

یہانتک کہ مسجد نبوی مین پہونچ گئے تو سب نے حضرت کی بیعت کی اور کسی نے ہاتھ بڑہانے مین بخل نہین کیا،

وھکذا صار مولانا العلی امیر المومنین وساد العرب حامیها

اور اس صورت سے ہمارا بلند مرتبہ امام تمام مومنین کا امیر قرار پایا اور عرب کی سرداری انکے سچے حمایت کرنے والے کو حاصل ہوئی۔

وسرت الخلق من عرب ومن عجم بر وفاضت علی الدنیا تهانیها

تمام خلق خدا عرب و عجم کو اس سے مسرت ہوئی اور دنیا مین خوشی و تہنیت کا وفور ہو گیا۔

خلافتِ الٰہیہ اور سیاستِ ملوکیہ میں تفرقہ

حقیقی جانشین رسولؐ کے روحانی خصوصیات

خدا کا رسول دنیا میں کسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم کرنے نہیں آیا تھا، نہ وہ ایسے شاندار قصروں کی تعمیر کرنا چاہتا تھا جن کے کنگرے سطح فلک سے مقابلہ کرتے ہوں، نہ وہ کوئی خزانہ جمع کرنے کی ضرورت سمجھتا تھا جس میں تمام اطراف ارض کا خراج سمیٹ کر ذخیرہ کیا جائے، نہ وہ ایسا شاندار لباس پہننا باعث افتخار سمجھتا تھا جس کی چمک دمک سے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوں، بے شک اگر پروردگار عالم کی نظر میں ان ظاہری اشیاء کے لئے کوئی اہمیت حاصل ہوتی تو قیصر و کسریٰ سب سے زیادہ حقدار تھے کہ ان پر وہ اپنا پیغام نازل کرتا، ملک عرب کے بڑے بڑے سرمایہ پرست کافی وجہ رکھتے تھے کہ وہ اُن کو اپنا سفیر مقرر کرے لیکن یہ کیا تھا کہ اُس نے بنی ہاشم کے گھرانے میں سے ابوطالب کے پروردہ یتیم کو رسالت کے عہدہ کے لئے منتخب کیا اور نبوت کا اعلیٰ منصب اسکی متعلق کیا۔ تمام سرمایہ داران

(اخبار شیعہ لاہور ۱۳ رجب ۱۳۴۸ھ ج ۵ نمبر ۲۵)

قریش اور ارباب حشم و خدم کی گردنیں اس ہستی کے سامنے خم کرا دیں کیا اس لئے کہ اُن کے اقتدار سے مافوق ایک دنیاوی سلطنت قائم کرنا منظور تھا؟ ہرگز نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ قادر تھا اپنے پیغمبر کے لئے مکہ و مدینہ کے پہاڑوں کو طلائے خالص بنا دیتا اور زمین کے سنگریزے زر و جواہر بنجاتے لیکن اس کے برخلاف رسول ص نے اپنی زندگی بھر دونوں وقت شکم سیر ہو کر کھانا بھی نہ کھایا، شاہی محل اور سلطانی قصر کیسے ارسالتمآب ص کے گھروں کی تو یہ شان تھی کہ حسن بصری ناقل ہیں میں بچپنے میں رسول ص کے گھروں کے اندر جایا کرتا تھا تو چھت کو اپنے ہاتھ سے چھو لیتا تھا (وفا الوفا) مسجد کا شاہی دربار جس میں ارکان دولت کا اجتماع ہوتا تھا اُسمیں سلطان دین و دنیا کے پاس بیٹھنے والے وہ اشخاص ہوتے تھے جن کے پاس پہننے کو سابوت کپڑا بھی نہ تھا۔ اس سیرت کو دیکھتے ہوے یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں رہتی کہ خدا کا رسول ملوکانہ زندگی بسر کرنے کیلئے نہیں بلکہ بنی نوع بشر کو حقائق توحید سے مطلع کرنے اور دنیا کو درس اخلاق دینے کے لئے آیا تھا، وہ مادہ کی ظاہری شان و شوکت کو توڑ کر روحانیت کے جذبہ کو ترقی دینا اپنا فرض سمجھتا تھا اور اول دور بعثت سے لیکر آخری وقت تک اُس کا نصب العین یہی رہا۔

رسول (ص) کی آنکھ بند ہوئی اور موت نے اُن کے ظاہری فیوض کو مسلمانوں سے سلب کیا جس کے ساتھ ہی اخلاق و عادات، جذبات و خلاق میں عجیب و غریب انقلابات پیدا ہو گئے، روحانیت کی جگہ مادیت نے لینا شروع کی اور حقائق پرستی کے بجائے سرمایہ پرستی نے اپنا عمل قائم کر دیا، قیصر و کسریٰ کے ممالک فتح ہوئے، ایران کی نازک مزاجی، ظاہرداری فضول خرچی کا اثر غیر متمدن عربوں نے لیا اور مال غنیمت کی کثرت نے خزائن کے دامن کو زر و جواہر سے مملو کر دیا۔ اب کیا تھا، بیدردی سے اسلام کی دولت صرف کی جانے لگی اور اسلامی خصوصیات کے برخلاف ملوکیت اور جہانگیریت کا دور دورہ شروع ہو گیا مستحقین کے بجائے مسلمانوں کا مال ملکی سیاست اور ذاتی اغراض کا ذریعہ قرار پا گیا۔

"سیاست" اپنے حقیقی معنی میں بہت خوشگوار اور قابل وقعت لفظ ہے یہ درحقیقت اُس انتظامی قابلیت کا نام ہے جو مبدأ فیاض کی طرف سے مدنیت و اجتماع کی حفاظت کیلئے کسی انسان میں ودیعت کی جاتی ہے اور جس کے آثار صلاح ملک و ملت کے ضمن میں ظاہر ہوتے ہیں۔

لیکن افسوس ہے کہ جس طرح بہت سی لفظیں اپنے غلط استعمال کی وجہ سے بے وقعت ہو گئی ہیں اسی طرح سیاست کا لفظ اپنے بے محل موارد

استعمال کی بدولت اصلی مفہوم سے ہٹ کر دوسرے معنی کا قالب بن گیا ہی، سیاست کے معنی جدید اصطلاح مین اپنے مقصد کو حق ناحق ہر طریقہ سے کامیاب بنانا اور اس کے حصول مین جن طریقون کی بھی ضرورت ہو اُن کا بلند چھلکی کے ساتھ استعمال کرکے اس مقصود کو حاصل کر لینا۔

خدائی مدرسہ اخلاق و تمدن کے تعلیمیافتہ افراد مین سیاست کے جذبہ کو مذکورہ بالا حیثیت سے تلاش کرنا کھلی ہوئی غلطی ہی، نہ یہ کہ وہ سیاست کے پیچیدہ رموز و اسرار سے ناواقف ہوا کرتے ہین، ہرگز نہین بلکہ اس لئے کہ اُن کو دیانت و امانت کے فرائض اور خدائی قانون کے دفعات اجازت نہین دیتے کہ وہ ان طریقون کا استعمال کرین، وہ تو قدم قدم پر اپنے خدا کی مرضی کے جویا اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہوا کرتے ہین اور اپنی حرکت و سکون بلکہ گردش چشم اور جنبش زبان مین اسبات پہ نظر رکھتے ہین کہ اس قانون کی خلاف ورزی نہونے پائے جس کے وہ پابند بنادئے گئے ہین، اس فلسفہ کو حکیم الاسلام امیر المومنین ؑ نے چند کلمون مین اس طرح ادا فرمایا ہے واللہ لولا الدین لکنت ادھی العرب۔ دنیا پرست افراد اپنے مقصد کے حصول مین ہر جائز و ناجائز طریقہ کا عمل مین لانا ضروری سمجھین لیکن شریعت الٰہیہ کے محافظ اور دینی احکام کے نگہبان افراد کسطرح ان طریقون کو اختیار نہین کر سکتے جن کے متعلق مذہبی احکام اجازت نہین

دیتے، اگر سیاست سے ناواقفیت اسی کا نام ہی تو ہم بہت کشادہ پیشانی کے ساتھ اس کے تسلیم کرنے کیلئے موجود ہین۔ دنیاوی بادشاہون، مادہ پرست ارباب اقتدار مین اگر تم سیاست کے اس مفہوم کو تلاش کرتے ہو تو کچھ بیجا نہین، مگر خلافت الٰہیہ کے مالک اور شریعت مقدسہ کے محافظ افراد کے حالات زندگی اور طرز عمل مین اس مفہوم کی جستجو کرنا دانشمندی سے بہت بعید ہے وصی درحقیقت نبی کا جانشین ہوا کرتا ہے لیکن، جانشینی سے مراد صرف ظاہری مسند پر بیٹھ جانا یا منبر پر رسول کی جگہ کو پُر کر دینا نہین ہے بلکہ اعمال اخلاق اور سیرت مین بالکل رسول کی تصویر ہو کر دنیا کے سامنے نمونہ رسول بنکر ظاہر ہونا ہی جس کی وجہ سے رسول کی جگہ پُر ہو جائے باین معنی کہ اخلاق و کمالات کی حیثیت سے وصی اس طرح نور رسالت کا آئینہ بنجائے کہ گویا دنیا کو معلوم نہ ہو کہ رسول عالم مین موجود نہین ہین، یہ حقیقی معنی جانشینی کے ہین اور جس مین یہ صفت پائی جائے وہی حقیقی جانشین رسول کہے جانیکا مستحق ہے۔

رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد جو انقلابات پیدا ہوئے انھون نے شریعت اسلامیہ کی صورت کو بہت کچھ بدل دیا تھا اور روحانیت کے بجائے مادیت نے پورے طور پر اپنا عمل قائم کر لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب اقتدار کی طرف سے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے اسلامی روپیہ عالی حوصلگی کے ساتھ صرف کیا جانے لگا،

مخصوص حوالی موالی اور رشتہ دارون کا خیال تمام مسلمانون سے مقدم رکھتے ہوئے اہل اسلام کے مشترکہ اموال کو معدودے چند افراد سے مخصوص کر دیا گیا، حضرت عثمان کا دوران خصوصیات کی حیثیت سے پورا امتیاز رکھتا ہو۔

مصر، عراق، شام تمام اطراف خاندان بنی امیہ کے تسلط و اقتدار کا مرکز بنگئے مروان بن الحکم جو رسول کی زندگی مین بلکہ اسکے بعد بھی خلیفہ اول و خلیفہ ثانی کے عہد تک مدینہ کے اندر داخل ہونے سے ممنوع تھا وہ ذاتی مصالح کی بنا پر اتنا بڑھایا گیا کہ خلافت اسلامیہ کا نظم و نسق اُس کی چشم و ابرو کے اشارہ کا تابع ہوگیا، آرمینیا کا ملک فتح ہوتا ہے اور اُس کا پورا خمس مروان کو ہبہ کر دیا جاتا ہو، عبد اللہ بن خالد بن امیہ تنگدستی کا اظہار کرتا ہے اُسکو ۴ لاکھ درہم بیت المال سے سپرد کر دیے جاتے ہین، حکم بن ابی العاص جس کی گردن مین رسول کی زبان سے لعنت کا طوق پڑچکا تھا وہ مدینہ مین لاکر مقربین بارگاہ مین داخل کیا گیا اور اسی پر اکتفا نہین کی بلکہ حقوق مسلمین سے ایک لاکھ درہم بھی اُسکو عطا کر دیے گئے، مروان کے بھائی حارث بن حکم کو "ہزوز" نامی ایک موضع کر لکھدیا گیا حالانکہ رسالتمآب اپنی زندگی مین اسکو مسلمانون کے لئے تصدق قرار دے چکے تھے، خود مروان بن الحکم کے نام فدک لکھدیا گیا حالانکہ یہی وہ باغ ہی جس کے لئے فاطمہ زہرا علیہا السلام نے پہلے دور مین کبھی میراث کی بنا پر اور کبھی عطیۂ رسول ہونیکی رو سے احتجاج کیا مگر اُنکے قول کو رد کیا گیا اور اُسکو مسلمانون کے لئے وقف بتایا گیا، لیکن تیسرے دور مین حکم بدل گیا اور اُسے

مروان بن الحکم طرید رسول کی ملکیت قرار دینا جائز سمجھا گیا، مدینہ کے ارد گرد جتنی سرسبز و شاداب زمینیں تھیں وہ سب حکومت کی طرف سے اپنے لئے مخصوص قرار دیدی گئیں اور سوائے بنی اُمیہ کے کسی شخص کو مسلمانوں میں سے وہاں مویشی لیجاکر چرانے کی اجازت نہیں رہی، افریقیہ غربی (طرابلس الغرب سے لیکر طنجہ تک) فتح ہوا اور جتنا بھی مال خراج وہاں سے آیا وہ سب بلا شرکت غیرے عبد اللہ بن ابی سرح کو عطا کر دیا گیا، معاویہ کے والد ابو سفیان بن حرب کو بیت المال سے دو لاکھ درہم دیے گئے اور یہ اسی دن کا تذکرہ ہے کہ جب مروان کو ایک لاکھ درہم ملے تھے جس پر زید بن ارقم خازن بیت المال نے کنجیاں لاکر سامنے رکھدیں اور رونا شروع کیا، حضرت عثمان نے کہا کہ تم اس لئے روتے ہو کہ میں نے اپنے قرابتداروں کی اعانت کی؟ زید نے کہا ایسا نہیں بلکہ میں اس خیال سے رویا کہ آپ نے مسلمانوں کا مال غیر مستحق اشخاص کے سپرد کیا، اگر مروان کو سو درہم بھی دیئے جاتے تو بہت تھے اور ابو سفیان کو ایک درہم بھی ملتا تو زیادہ تھا کیونکہ یہ دونوں ہمیشہ سے اسلام کے ساتھ جنگ کرتے رہے، عوض اسکے کہ ان کلمات سے کچھ اثر لیا جاتا جواب ملا کہ اچھا کنجیاں رکھدو ہم کو بیت المال کی خزینہ داری کے لئے کوئی دوسرا شخص مل جائیگا۔ اس کے علاوہ ابو موسیٰ اشعری نے عراق سے اموال خراج کو بھیجا وہ تمام بنی امیہ کے درمیان تقسیم کر دیا گیا اس قسم کے واقعات کثرت سے ہیں جنکو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو ایک طویل مضمون درکار ہے۔

بنی اُمیہ کے ساتھ ان تمام رعایتوں کا منشا صرف سیاسی مصلحت تھی اور یہ غرض تھی کہ بنی ہاشم کے مقابلہ میں اس گروہ کو پوری طاقت حاصل رہے اور دامن خلافت تک کوئی آنچ آنے لگے تو یہ آگ سینہ سپر ہوں، شام میں معاویہ اور اُن کے جانشین سلاطین نے طلاء و نقرہ کی سیاسی بارش کو بہت ترقی دی، اُن کا نقطۂ نظر ذرا وسیع تھا، وہ صرف بنی اُمیہ کے جذب قلوب پر اکتفا نہ کرتے ہوئے تمام اشراف قبائل اور رؤسائے قریش کی رضامندی کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور اکثر وہ اپنے طلائی اور نقرئی سکوں سے اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے، اگر ذرا غور سے ان تمام سلاطین کے حالات زندگی میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی غرض سوائے اپنے ذاتی مصالح اور سیاسی اغراض کے اور کچھ نہ تھی اور اپنے مقصد کے حصول میں کسی مذہبی یا اخلاقی قانون کا لحاظ ضروری نہ سمجھتے تھے، یہی ملوکانہ سیاست اور دنیاوی طریق حکومت ہے جس سے اسلام کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اس سب کے مقابلہ میں جب امیر المومنین ؑ کے طرز حکومت اور حالات زندگی پر نظر کی جائے تو بے ساختہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کا اقتدار زر و جواہر کی بارش کا رہین منت اور سیاسی طریق عمل کا زیر بار احسان نہیں ہے آپ

اپنے پیش رو حضرت رسول اکرمؐ کی طرح خالص روحانی سلطنت کی بنیاد قائم
کرنا چاہتے تھے جس میں تصنع اور ریاکاری، جنبہ داری کا نشان تک
نہیں پایا جاسکتا، مسلمانوں کے بیت المال کو حضرت ایک امانت سمجھتے
تھے جو خالق کریم کی طرف سے آپ کے ہاتھ میں مستحقین تک پہونچانے کیلئے
ودیعت رکھی گئی ہے، کیا ممکن ہے کہ اُس میں سے ایک حبہ بھی بلا استحقاق
کسی کو دیدیا جائے ایک طرف شام میں قبائل قریش کے بڑے بڑے
افراد کے لئے خزانوں کے منھ کھلے ہوئے تھے اور جو شخص بنی ہاشم سے منحرف ہو کر
حاکم شام کا دوست ہوجائے وہ مال دنیا سے مالا مال ہوجاتا تھا لیکن
دوسری طرف قرآن مجید کی تعلیم کا خیال اور سنت رسولؐ کی پابندی پیش نظر
تھی، تمام مسلمانوں میں مساوات جو شریعت اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے اور
جس کو کتاب خدا نے انما المومنون اخوۃ کہکر واضح کیا تھا، اُس سے
امیر المومنین ذرہ برابر ہٹنا نہ چاہتے تھے، یہاں تک کہ اس مساوات سے
حضرت کی اولاد، بھائی، بھتیجے، اور دیگر عزیز قریب بھی مستثنیٰ نہ تھے، عقیل
جو حضرت کے حقیقی بھائی تھے انھوں نے کتنا چاہا کہ اُن کے مقررہ وظیفہ میں
کچھ اضافہ کردیا جائے مگر کسی طرح امیر المومنینؑ نے منظور نہ کیا، سابق دور
میں قرابت داروں اور قوم قبیلہ والوں کے ساتھ مخصوص رعایتیں
عقیل کو بہت دلارہی تھیں کہ وہ بھی اپنے بھائی سے اس قسم کی رعایتوں

کے خواستگار ہوں لیکن علی بن ابیطالبؑ کی طرف سے یہی جواب ملتا تھا کہ
بیت المال تمام مسلمانوں کا حق ہے مجھ سے مخصوص نہیں ہاں میں بھی دوسرے
مسلمانوں کے برابر لینے کا مستحق ہوں، اگر تم کہو تو میں اپنے حصہ میں سے تم کو
دیدوں عقیل کا اصرار زیادہ ہوا حضرت نے فرمایا کہ جمعہ کو مسجد میں نماز کے وقت
مجھ سے ملاقات کرو، روز جمعہ جب مسجد نماز گذاروں سے مملو ہوگئی اور حضرت
نماز و خطبہ سے فارغ ہوے تو عقیل کو اپنے پاس بلاکر ارشاد فرمایا، کہیں
تمھارے نزدیک جو شخص ان سب لوگوں کی خیانت کرے وہ کیسا ہے؟
عقیل نے کہا کہ اس سے بدتر کوئی شخص نہیں، امیر المومنین نے ہنسکر فرمایا
"تم مجھ سے بھی تو چاہتے ہو کہ میں ان سب کی خیانت کروں اور تم کو ان تمام
لوگوں کے حقوق میں سے مخصوص امتیاز دیدوں"

کچھ روز پھر سکوت کرنے کے بعد عقیل نے اپنی خواہش کا اعادہ کیا اور اپنی
مع سب اولاد کو لیکر حضرت کی خدمت میں آئے جن کے چہروں سے فقر و فاقہ
کے آثار نمایاں تھے حضرت نے پھر اپنے حصہ کو جو بیت المال سے مقرر تھا
دینے پر آمادگی ظاہر فرمائی۔ اور جب انھوں نے اسے منظور نہ کیا تو حضرت
نے فرمایا کہ شام کو میرے پاس آنا جب وہ وقت آیا عقیل حضرت کی
خدمت میں حاضر ہوے آپنے ایک ٹکڑا لوہے کا جو آگ سے گرم کیا ہوا رکھا
تھا انکے ہاتھ پر رکھا عقیل فریاد کرنے لگے کہ آپ مجھکو آگ سے کیوں اذیت

دیتے ہین ؟ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ تم ایک لوہے کے ٹکڑے سے جو دنیا کی معمولی آگ سے گرم کیا گیا ہے اتنا گھبراتے ہو اور مجھ کو چاہتے ہو ایسی آگ مین بھیجو جسے خدا نے اپنے قہر و غضب سے روشن کیا ہی۔

کوتاہ نظر اور ظاہر بین افراد امیر المومنین ؑ کے اس طرز عمل کو چاہے سیاست اور اصول حکومت کے خلاف تصور کرین لیکن اگر عقل و انصاف کی روشنی مین دیکھا جائے تو علی بن ابیطالب ؑ کا طرز عمل اسلامی اصول مساوات کا بہترین نمونہ ہی،

کیا امیر المومنین سے اسکی توقع کیجا سکتی ہے کہ وہ بھی مثل سابق دور کے تمام بیت المال کو اپنے اعزہ و اقارب سے مخصوص کر دیتے اور تمام مسلمان اُس سے محروم کر دئے جاتے، علی بن ابیطالب اپنی خلافت مین ملوکانہ سیاست کے استعمال کے محتاج نہ تھے، اُن کی خلافت خلافت آلٰہیہ تھی اور روحانی طاقت و قوت پر اُس کا دار و مدار تھا۔

عالمِ انسانیت کا معلمِ اعظم[1]

آفتاب لاکھوں بار زمین کے گرد گردش کرے یا زمین کروڑوں مرتبہ آفتاب کے گرد چکر لگائے، لیل و نہار کے سیاہ و سفید ورق اپنے تمام دلاویز نقوش کے ساتھ سامنے آئیں اور گذر جائیں اور افراد انسانی کیلئے اپنا وجود صفحۂ تاریخ میں محفوظ کر جائیں، انسانی نسل کے قافلہ اس منزل میں اُتریں، رہیں سہیں اور سفری ہو جائیں لیکن "انسان کامل" یا "عالم انسانیت کے معلم اعظم" کی تلاش تمکو ہمیشہ ایک محدود ہی دائرہ کی طرف رہنمائی کرے گی جس میں وسعت کا پتہ اور کثرت تعداد کا نشان نہیں۔

ہر قوم اپنے لئے گنتی کے افراد رکھتی ہے جن کو وہ اپنے کامل ترین افراد کی فہرست میں پیش کر سکتی ہی اور اُن میں بھی جب انتخاب کیا جائے تو سب سے زیادہ کامل تر ہستی ایک ہی ہوگی جو اُس خط ارتقاء کا انتہائی نقطہ سمجھی جا سکتی ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ اقوام عالم میں باعتبار اپنی صداقت روحانیت اور خصوصیات روحانی کے سب سے زیادہ مکمل قوم اسلام کی قوم ہے تو یہ بھی

(۱) سرفراز رجب نمبر ۱۳۵۲ھ

تسلیم کرنا ضروری ہوگا کہ اس قوم کی "کامل ترین" یا "سب سے بڑی ہستی" وہی ہونا چاہیئے جو تمام "عالم انسانیت" میں یکسان طور پر "معلم اعظم" سمجھی جا سکے۔

دنیا مادہ پسند ہے اور مادی اشیاء پر جان دیتی ہے، مسلمانون کے عام افراد بھی اپنے بشری افتاد طبع کی بنا پر اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے، انھون نے عظمت کا معیار ظاہری شان و شوکت، اکثریت، انتظامی معاملات مین ظاہری سوجھ بوجھ اور بست و کشاد، نظم و نسق کی قابلیت کو سمجھ لیا اور انہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے لگے لیکن اگر خود اسلام ایک عملی قانون ہے، اگر اُس نے اقوال سے زیادہ اعمال کو اہمیت دی ہے۔ اگر وہ اپنے ماننے والون کی ترقی روحانی اور تہذیب نفسانی اور اخلاقی شائستگی کا ذمہ دار ہے تو اُسکی مکمل ترین ہستی وہی ہو سکتی ہے جو اُن تعلیمات کا مکمل نمونہ اور عملی مجسمہ ہو جس نے اپنے افعال و اعمال اور زندگی کے ہر حرکت و سکون سے دنیا کے لئے ایسے نمونے پیش کئے ہون جن کی موافقت شائستگی اخلاق اور تہذیب نفس، جامعہ بشری کی شیرازہ بندی اور امن و امان، زندگانی ملی کے خوشگوار و کامیاب بنانے کی ضامن ہو، یہی ہستی وہ ہو سکتی ہے جو دنیائے اسلام کے "انسان کامل" یا "عالم انسانیت کے معلم اعظم" کا لقب پانے کی مستحق ہو۔

رسول اسلام نے اپنی تعلیمات کی ایک روح پھونکی تھی کہ جو بقدر ظرف و استعداد کے مطابق ہر ایک نے اُس روح سے اثر لیا اور جاہلیت کی موت سے زندہ ہو کر نشأۃ ثانیہ حاصل کیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس روح کا مکمل اثر لے کر خود اسی روح کا مجسمہ بنجانیوالی کچھ ہی مخصوص ہستیاں سمجھی جا سکتی ہیں جن میں بھی تفرقہ و امتیاز کی بنا پر افضل و اکمل ہستی ایک ہی ہوگی اور کوئی نہیں۔

بے شک افراد اسلام کی سیرت زندگی ہمارے سامنے ہے تاریخ کے اوراق اُن تمام حوادث و واقعات کو اپنے نقوش و الفاظ کے طلسم سے محفوظ کئے ہوئے ہیں جو خود ہماری آنکھوں کے سامنے نہ ہوئے تھے اور افسانۂ ماضی بن چکے ہیں۔

اُن میں بعض تو ایسے تاریک مرقع ہیں کہ جن کی طرف دیکھکر خود بخود آنکھ بند ہو جاتی ہے اور منھ پھیر جاتا ہے۔ بعض ایسے ناقص و غیر مکمل مجسمے سامنے آتے ہیں جن میں محاسن کے ساتھ عیوب و نقائص کی شرکت سے خط و خال بگڑا ہوا نظر آتا ہے اور نمونۂ عمل بننے کے قابل نہیں۔ بعض اتنے مدہم نقوش ہیں کہ جو صاف نظر نہیں آتے اور جن میں کفر و اسلام کا امتیاز مشکل ہوتا ہے۔

حجاج بن یوسف ثقفی۔ عبد الملک بن مروان۔ ولید۔ یزید بن معاویہ

معتصم ،منصور ۔ متوکل وغیرہ ایسے وہ افراد کہ جنھیں عام ذہنیتوں نے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کیا تھا اولی الامر منکم کا مصداق قرار دیکر مسلمانوں کا قبلۂ اطاعت اور کعبۂ توجہ تبلایا ہے کیا یہی ایسے نمونہ ہیں جن کو عالم کے سامنے پیش کرکے ہم اسلام کی روحانیت خلاقیت صداقت وحقانیت کے سامنے انکو سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دیں اور ان ہی کے طرز عمل یعنی سفاکی ، خونریزی ، امن واطمینان کے ساتھ دشمنی یا عیاشی ، شہوت رانی ، خواہش پرستی یا خودغرضی ، نفسانیت ، جانبداری کو نمونے میں پیش کرکے یہ دعوی کریں کہ اسلام دنیا میں شائستہ خلاق اور بلند تعلیمات کا حامل اور علمبردار اور انسانی ترقی وتہذیب کا ذمہ دار بن کر آیا ہے ۔

یا اس سے آگے بڑھ کر شاہانہ شان وشوکت اور ملوکانہ حشم وخدم ، سیاسی جوڑ توڑ ، مکاری ، چال بازی یا اپنے مفاد کے لئے قوم ومذہب کے مفاد کو پامال کردینے کی تعلیم کو ناز وافتخار اور مسرت کے ساتھ پیش کرکے اسلام کی روحانیت اور عملی تربیت کے کوس لمن الملکی بجانے کی جرأت کریں ۔ یا اور آگے جاکر حریت ومساوات کی بے قدری ، اخوت اسلامی کی بے حترامی ۔ قبیلہ بندی اور اپنے قوم وقبیلہ بھائی بندوں کیسا تھ جانبداری آزادی رائے کو سلب کرلے کیسا تھ جبر وتشدد کی کارفرمائی ، حق گویوں

کی زبان بندی اور اُن کی دلازاری معاہدات کے خلاف ورزی اور جمہور
کے جذبات کی پامالی یہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے نمونہ میں پیش کیجائے؟
یا اسلام کی روحانیت وصداقت کی بہترین سند اور اسلام کی تعلیم
اخلاقی وتہذیب اجتماعی کی مکمل دستاویز انہی فتوحات کو قرار دے لیا
جائے جن میں اسلام کی تلوار جارحانہ صورت سے دنیا کے امن وامان کو
خاک میں ملا رہی تھی اور آس پاس کے ہمسایہ اقوام کو تباہ کرکے اپنی سلطنت
و حدود مملکت میں اضافہ کر رہی تھی اور جس نے ہمیشہ کے لئے اسلام کے پاک
دامن پر یہ دھبہ لگا دیا کہ وہ امن وامان کا دشمن ہے۔ اور یہ کہ وہ تلوار کے زور
سے پھیلا ہے؟ یا اس علم دوستی وادب پروری کو اسلامی تعلیمات کا نمونہ سمجھا
جائے۔ جو کتب خانہ اسکندریہ کے تباہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوئی،
جس کی وجہ سے علم دوست اقوام یہ کہنے لگے کہ "اسلام علم کا دشمن ہے"۔

یا اسلام کی سچائی اور روحانیت کا ثبوت ذاتی نفوذ واقتدار، جاہ طلبی
اور شخصیت پروری حقداروں کے حقوق سے چشم پوشی اور حق طلبی کے خلاف
جبر وتشدد، تخویف وتہدید، ظلم واستبداد، ناانصافی اور غیر رواداری
وغیرہ ایسے اوصاف کو سمجھا جائے جن کے واقعات تاریخ اسلامی میں صاف
طور سے محفوظ ہیں۔ آخر پھر کوئی بتائے کہ غیر اسلامی دنیا کے سامنے ہم
اسلامی تعلیمات کے عملی نتیجہ کی کس طرح روشناسی کرائیں اور کس طرح ہم

ثابت کریں کہ اسلام عملی مذہب ہے، اور ایسے افراد ہیں جنھوں نے اُسکی تعلیمات پر اس طرح عمل کیا کہ وہ اُسکی مجسم مثال بن گئے۔

بیشک اس کے لئے دنیائے اسلام میں چند ہی ہستیاں ہیں جن کے اوصاف محامد وخصائل اور اخلاق و عادات کا آئینہ اتنا صاف اور بے عیب ہے جس میں کوئی دھبہ نظر نہیں آتا۔ اور ان میں ممتاز و نمایاں ہستی رسول اسلام کے حقیقی جانشین اور ملت اسلامیہ کے واحد رہنما حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب[ع] کی ہے۔

ضرورت ہے کہ دنیا آپ کی سیرت زندگی۔ اوصاف وکمالات اور افعال و اعمال کو دیکھے سمجھے اور غور کرے، اُن کے عظیم نکات و اسرار تک پہونچنے کی کوشش کرے۔ اور دنیا کے سامنے پیش کرے۔ بیشک علی[ع] ہی کی ہستی وہ ہے جس کا اتباع ملت اسلامیہ کے ارتقاء روحانی اور تہذیب و شائستگی اور تنظیم ملی کا ذمہ دار ہے اور یہی ہستی وہ ہے جس کو دنیا کے سامنے پیش کر کے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہے "دنیا کا انسان کامل" اور یہ ہے "عالم انسانیت کا معلم اعظم"۔

علی نقی النقوی عفی عنہ

آہ جنّت البقیع

ہاں اے فرزندانِ اسلام و اے اولادِ علیؑ و فاطمہؑ بس آج ہی وقت ہے کہ حرم خدا و رسولؐ اور ارضِ مقدس حجاز کو جس میں اسلام کی مقدس ترین امانتیں یعنی آپکے اجداد و پیشوایانِ روحانی دفن ہیں۔ نیز وہ آپکا مذہبی مرکز اور اس لئے دینی وطن بھی ہے۔ ابن سعود نجدی کے پنجۂ ظلم سے چھڑا لیجئے

مجاہدین جمعیتِ ادریسیہ حجازیہ

کو فوراً مالی اور اخلاقی مدد دیجئے۔ تاکہ وہ اس اسلامی خدمت کو انجام دیکر ارواحِ مطہرہ رسولؐ و علیؑ و بتولؑ و دیگر بزرگانِ دین کو خوشنود کر سکیں جس وقت تک یہ مقدس ہستیاں قبروں میں بےچین ہیں۔ آپ کو بھی چین کی نیند سونا حرام ہے خدا کے لئے چونکئے ذرا ہوشیار ہو جیئے اب ایک لمحہ کی دیر کا موقع نہیں ہے۔

(خادم) حاجی حسن آنریری اسسٹنٹ سکریٹری

انجمن تحفظ مآثر متبرکہ حسین آباد لکھنؤ

امامیہ مشن کی ممبری قبول فرما کر

ناصرین اہلبیت علیہم السلام کی فہرست میں اپنا نام نامی درج کرا لیجئے

چندہ لائف ممبری یکمشت پچاس روپیہ

چندہ ممبران خصوصی کم از کم پانچ روپیہ سالانہ

چندہ ممبران عمومی کم از کم ایک روپیہ سالانہ

(نوٹ)

لائف ممبران و ممبران خصوصی کی خدمت میں تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت شایع ہوتے ہی ارسال ہوتے رہتے ہیں۔ اور ممبران عمومی کو (بشرطیکہ وہ طلب فرماویں) ممبر بننے کے بعد شایع ہونے والے رسائل نصف قیمت پر دئے جاتے ہیں۔

الداعی الخیر

آنریری سکرٹری

امامیہ مشن "لکھنؤ"